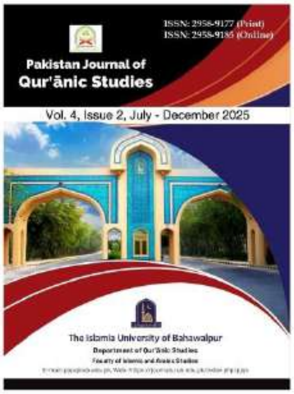

Pakistan Journal of Qur'ānic Studies

ISSN Print: 2958-9177, ISSN Online: 2958-9185

Vol. 4, Issue 2, July – December 2025, Page no. 31-56

HEC: https://hjrs.hec.gov.pk/index.php?r=site%2Fresult&id=1089226#journal_result

Journal homepage: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs

Issue: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/issue/view/289

Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/article/view/4195

Publisher: Department of Qur'ānic Studies, the Islamia University of Bahawalpur, Pakistan

---

Title The Teacher's Role in Addressing Contemporary Intellectual Challenges and Student Personality Development: An Analysis in the Light of the Seerah.

Author (s): **Dr. Amjad Hayat**
Assistant Professor, Department of Islamic Thought & Culture, National University of Modern Languages, Islamabad.
ahayat@numl.edu.pk

Dr. Muhammad Saeed
Lecturer, Department of Islamic Studies, HITEC University, Taxila, muhammad.saeed@hitecuni.edu.pk

Received on: 21 October, 2025
Accepted on: 20 November, 2025
Published on: 30 November, 2025

Citation: Dr. Amjad Hayat, and Dr. Muhammad Saeed. 2025. " جدید فکری چیلنجز اور طلبہ کی شخصیت کی تعمیر میں استاد کا کردار : سیرتِ نبویﷺ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ: The Teacher's Role in Addressing Contemporary Intellectual Challenges and Student Personality Development: An Analysis in the Light of the Seerah". *Pakistan Journal of Qur'ānic Studies* 4 (2):31-56. https://journals.iub.edu.pk/index.php/pjqs/article/view/4195.

Publisher: The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.

All Rights Reserved © 2024 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

جدید فکری چیلنجز اور طلبہ کی شخصیت کی تعمیر میں استاد کا کردار: سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

The Teacher's Role in Addressing Contemporary Intellectual Challenges and Student Personality Development: An Analysis in the Light of the Seerah

Dr. Amjad Hayat
Assistant Professor, Department of Islamic Thought & Culture, National University of Modern Languages, Islamabad. ahayat@numl.edu.pk
Dr. Muhammad Saeed
Lecturer, Department of Islamic Studies, HITEC University, Taxila
muhammad.saeed@hitecuni.edu.pk

Abstract
In the contemporary educational context, students face multiple intellectual challenges, including the conflict between religious values and secular ideologies, the tension between tradition and modernity, and the influence of global culture and digital media. Such challenges generate skepticism, confusion, and a decline in intellectual confidence, leading in some cases to extremism or moral laxity. In this context, the role of the teacher extends beyond the transmission of knowledge to include intellectual guidance and character formation. The Sīrah of the Prophet Muhammad ﷺ provides a comprehensive pedagogical model that combines education, moral training, and intellectual development. His methodology emphasized wisdom, compassion, practical application of knowledge, and the cultivation of students' spiritual and ethical capacities. This research explores how the principles of Prophetic pedagogy can be applied within modern educational systems to enable teachers to address contemporary intellectual crises, foster holistic student development, and contribute to positive societal transformation.

Keywords: *Teacher's Role, Student, Contemporary, Intellectual Challenges, Personality Development, Seerah.*

تمہید:

آج کے تعلیمی و فکری ماحول میں طلبہ مختلف فکری الجھنوں، فکری انتشار، اور فکری زوال کے خطرات سے دوچار ہیں۔ جیسا کہ مذہبی و الحادی فکر کے درمیان کشمکش مذہبی اقدار اور الحادی یا سیکولر نظریات کے درمیان تضاد کی وجہ سے ذہنی انتشار اسی طرح دین کو دقیانوسی اور سائنسی علوم کو حتمی سچ سمجھنے کا رجحان، تہذیبی و ثقافتی الجھنیں، مقامی اقدار اور مغربی تہذیبی اثرات کے درمیان تذبذب، اسلامی شناخت اور گلوبل کلچر (فیشن، میڈیا، سوشل میڈیا) میں توازن نہ قائم کرپانا ، سچ اور جھوٹ

میں امتیاز کا فقدان، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر ملنے والی متضاد معلومات کی وجہ سے طلبہ کو حقائق اور گمراہی میں فرق کرنے میں دشواری، تشکیک اور شکوک کا غلبہ، سائنس، فلسفہ اور جدید مباحث سے پیدا ہونے والے سوالات جیسے: خدا کا وجود، مذہب کی ضرورت، وحی اور عقل کے تعلقات، علم و عمل کا تضاد، مستقبل کی بے یقینی، کیریئر، معاشی حالات اور سماجی دباؤ کی وجہ سے فکری اعتماد کی کمی۔، شدت پسندی یا بے راہ روی وغیرہ

ایسے حالات میں استاد نہ صرف علم کا منتقل ہے بلکہ طلبہ کی فکری رہنمائی اور شخصیت سازی میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔س حوالے سے سیرتِ طیبہ ایک ایسا کامل و جامع ماڈل فراہم کرتی ہے جس میں تعلیم، تربیت اور فکری تشکیل کے اصول واضح طور پر موجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ایک مثالی معلم کی سیرت کو نمایاں کرتی ہے، جو طلبہ کی علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی نشوونما میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے تعلیم کے ذریعے اپنے صحابہؓ کی نہ صرف علمی سطح کو بلند کیا بلکہ ان کی شخصیت کو اس انداز میں سنوارا کہ وہ بہترین انسان، مصلح اور رہنما بن گئے۔

کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تعلیم کو صرف کتابی علم تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے عملی زندگی میں نافذ کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ شفقت اور حکمت کے ساتھ تعلیم دیتے، طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں کو سمجھتے اور ان کی اخلاقی و روحانی تربیت پر زور دیتے۔ اگر اساتذہ ان اصولوں کو اپنائیں تو وہ نہ صرف طلبہ کو اچھا انسان بنا سکتے ہیں بلکہ ایک بہتر اور ترقی یافتہ معاشرے کی تشکیل میں بھی مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

یہ تحقیق جدید تعلیمی نظام میں اسلامی تربیتی اصولوں کے اطلاق پر روشنی ڈالے گی اور اساتذہ کے کردار کو نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں اجاگر کرے گی۔ اس میں واضح کیا جائے گا کہ استاد کی ذمہ داری صرف پڑھانے تک محدود نہیں بلکہ وہ طلبہ کی فکری تربیت میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اگر اساتذہ اپنی تدریسی حکمت عملی میں سیرتِ طیبہ کے اصولوں کو شامل کریں تو نہ صرف طلبہ کی شخصیت میں بہتری آ سکتی ہے بلکہ معاشرے میں بھی مثبت تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ اس تحقیقی مطالعے میں ان اصولوں کو بنیاد بنا کر یہ جائزہ لیا جائے گا کہ استاد معاصر فکری چیلنجز کا مقابلہ کرتے ہوئے طلبہ کی شخصیت سازی کس طرح مؤثر طور پر کر سکتا ہے۔

ضرورت واہمیت:

موجودہ دور میں جہاں تعلیم کو محض ایک پیشہ ورانہ مہارت کے حصول کا ذریعہ سمجھا جا رہا ہے، وہیں شخصیت سازی اور اخلاقی تربیت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ نتیجتاً، علمی ترقی کے باوجود سماج می، فکری انتشار، اور روحانی کمزوری بڑھتی جا رہی ہے۔ ایسے حالات میں استاد کا کردار پہلے سے زیادہ اہمیت اختیار کر چکا ہے، کیونکہ وہی وہ فرد ہے جو نئی نسل کی فکری اور عملی تربیت کر سکتا ہے۔

یہ تحقیق اس ضرورت کو اجاگر کرے گی کہ ایک استاد کو محض ایک معلوماتی ذریعہ نہیں بلکہ ایک رہنما، مربی اور کردار ساز ہونا چاہیے۔ سیرتِ طیبہ کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے، اس تحقیق میں جدید تعلیمی نظام میں استاد کے کردار کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے گا تاکہ تعلیمی ادارے ایک متوازن اور مثالی نسل کی آبیاری کر سکیں، جو نہ صرف علمی اعتبار سے مستحکم ہو بلکہ اخلاقی اور سماجی لحاظ سے بھی ایک بہترین انسان بن سکے۔

عنوان مقالہ کو مندرجہ ذیل مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے

مبحث اول: تعمیر شخصیت کا تعارف اور مثالی استاد

مبحث دوم : طلبہ کے معاصر فکری تحدیات

مبحث سوم : سیرت طیبہ کی روشنی میں طلبہ کی فکری تعمیر میں استاد کا کردار

مبحث اول: تعمیر شخصیت کا تعارف اور مثالی استاد

طالب علم کی تعمیرِ شخصیت میں استاد کا کردار سیرتِ طیبہ کی روشنی میں ایک نہایت اہم موضوع ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی چیز کی تفصیلی بحث سے قبل اس کا تعارف کرانا ضروری ہوتا ہے اسی منطقی ترتیب کے مطابق مبحث اول میں تعمیر شخصیت کا مفہوم اور اہمیت کا تعارف کروں گی۔

تعمیر شخصیت کا مفہوم:

تعمیر کے لغوی معنی: عربی زبان کے مادہ "ع-م-ر" سے ماخوذ ہے۔ لغت میں اس کے بنیادی معانی درج ذیل ہیں: "آباد کرنا"، "بنانا"، "ترقی دینا"، یا "کسی چیز کو مضبوط اور پائیدار بنانا"۔[1]

شخصیت کے لغوی معنی: عربی لفظ "ش خ ص) "شین، خا، صاد) سے ماخوذ ہے۔ "شخص" کا معنی ہے "فرد" یا "انسان"۔

"شخصیت" کا مطلب ہے "کردار"، "ذات"، فرد کی وہ خصوصیات جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں"، یعنی کسی انسان کی ذہنی، اخلاقی، جذباتی، اور سماجی صفات کے مجموعے کا نام شخصیت ہے۔[2]

---

1 Jauhari, Ismail bin Hammad, Al-Sihah fi al-Lughah (Cairo, Al-Matbah al-Kubra al-Ameeriah, 1865), 1: 496.

2 Ibid, 2: 349.

تعمیر شخصیت کا اصطلاحی مفہوم:

شخصیت انسان کے ظاہری و باطنی صفات، نظریات و اسلامی اقدار، افعال احساسات اور جذبات سے منسوب ہے۔ تعمیر کردار میں فکر و نظریات کا کلیدی رول ہوتا ہے قرآن کریم نے موت و حیات کی تخلیق کا اصل سبب کردار کی آزمائش ہی بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [3]

"جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے کام کون کرتا ہے"۔

اچھے اوصاف و اخلاق سے آراستہ لوگ انسانیت کے سفیر ہوتے ہیں۔ اس لیے زندگی کی بے شمار ترجیحات میں تعمیر شخصیت کو اولیت حاصل ہے۔ تعمیر شخصیت کے لیے اسلام ہماری مکمل رہبری ور ہنمائی کرتا ہے۔ قرآن اور اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں ایمان و یقین، علم تفکر، نیت ارادہ عمل اور نتیجہ عمل اور احتساب شخصیت سازی اہم عناصر قرار دیے گئے ہیں۔

مثالی استاد کی صفات سیرت طیبہ کی روشنی میں:

تعلیم کسی بھی معاشرے کی ترقی میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اور استاد اس تعلیمی نظام کی روح ہوتا ہے۔ استاد صرف پڑھانے والا نہیں، بلکہ نئی نسل کو سنوارنے اور صحیح راستہ دکھانے والا رہنما ہوتا ہے۔ ایک اچھا استاد قوم کے مستقبل کو روشن بناتا ہے۔

مثالی استاد: استاد وہ شخصیت ہے جو معاشرے کے لیے مثبت تبدیلی کا راستہ ہموار کرتا ہے۔ استاد اس شمع کی طرح ہے جو خود جلتی ہے اور دوسروں کو روشنی مہیا کرتی ہے مگر خود اندھیرے میں ہے۔ استاد دانش و علم کا نور بکھیرنے والا ہے۔ استاد نور ہے جو مسلسل روشنی بانٹ رہا ہے۔ ایک استاد اقوام کی تہذیب و کلچر کا محافظ اور اپنے طلبہ تک نئی سوچ پہنچا کر انسانیت کی روایات کو محفوظ رکھنے والا ہوتا ہے۔ تعلیمی عمل میں استاد محور ہوتا ہے جس کے ارد گرد تمام تعلیمی نظام گردش کرتا ہے۔ اساتذہ کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ بچوں کی پوشیدہ صلاحیتوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کو بہتر طریقے سے پروان چڑھائیں۔ [4]

3 Al-Mulk 67: 2.

4 Siddique, Muhammad Islam, Pakistani Asateza ky lei role Model (Lahore, Kitab Survey, 2015), 24.

تدریس ایک مقدس عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ معلم کائنات ہے اور اس کے رسول معلم انسانیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان اور نبی کو زیور تعلیم سے آراستہ کرکے آنے والی تمام بنی نوع انسان کو تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب اور تعلیم و تزکیہ کو نبوی مشن قرار دیا۔ نبی اکرم ﷺ اپنے بارے میں فرماتے تھے:"قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا"[5].

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ تمام صفاتِ عالیہ موجود تھیں جو ایک معلم کامل میں مطلوب ہیں، آپ کمالِ علم، خلقِ عظیم، اُسوۂ حسنہ اور کمالِ شفقت اور رحمت جیسی صفات کے ساتھ موصوف تھے۔

اساتذہ کا شمار قوم کے سب سے زیادہ ذہین اور باشعور طبقے میں ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ وعلیہ وسلم کو بنی نوع انسان کے لئے رہبر، رہنما اور معلم اعظم بنا کر بھیجا گیا۔ دنیا میں آپ کی بعثت کا مقصد علم و حکمت کی تعلیم و اشاعت تھا۔ آپ کو علم و حکمت کی تعلیم خود رب ذوالجلال نے دی اور تمام انسانیت کے لئے معلم بنایا۔ آپؐ کی حیات مبارکہ زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی دیتی ہے۔ اسی لئے قرآن میں ارشاد ہے:"لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ".

ترجمہ: تمھارے لیے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔[6]

سیرت طیبہ کے مطالعے سے ایسے اوصاف کا ہم کو پتہ چلتاہے جس کے ذریعے ایک کامیاب، مثالی استاد کا وجود ابھر کر سامنے آتا ہے جو سیرت طیبہ کی روشنی میں طلبہ کی علمی رہنمائی کرتا ہے۔

❖ ذیل میں مثالی استاد کے چند اوصاف کا باختصار ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ وہ لازمی اوصاف ہیں جن کی جانب ہمارے اساتذہ وذمہ داران تعلیم کو توجہ دینا چاہئے:

- **تعلیم وتدریس میں نرمی اور شفقت:**

موجودہ بیشتر ماہرین تعلیم جن کے نظریات جدید تعلیمی فلسفہ واصول نفسیات اور درس وتدریس کے اساس مانے جاتے ہیں۔ سیرت رسولؐ کے مطالعے سے یہ خوش گوار انکشاف ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب رسول ﷺ کے نظریہ تعلیم و تعلم کے پیروکار ہیں۔ اکتساب کے عمل میں استاد کا نرم وشیریں لہجہ اور مشفق رویہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ آپ ﷺ جب بھی تکلم

5 Ibne Majah, Muhammad bin Yazeed, Al-Sunnah (Riyadh, Dar Tawq lin-Nashr wat-Tawzei, 2008), 1: 229.

6 Al-Ahzab 33: 21.

فرماتے آپ کا لہجہ نہایت ہی شیریں اور ملائم ہوتا اور آپ کی تعلیم سامعین کی دلوں پر راست اثر کرتی تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بھی نرم اور شفیق بننے کی تلقین فرمائی۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَيْهِ مَالَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ".[7]

"بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے، اور وہ نرمی پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور نہ ہی کسی اور چیز پر دیتا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا کہ تعلیم کو آسان کرو اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالو۔ آج کا سائنسی طریقہ تعلیم بھی اسی نکتہ کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ ایک معلم آسان سے مشکل کی طرف پیش قدمی کرے۔

- **تدریس میں وضاحت اور ٹھہراؤ:**

سیرت طیبہ ایک کامیاب استاد کے لئے لازمی قرار دیتی ہے کہ وہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر تعلیم کے کام کو انجام دیں تاکہ طلبہ کو پوری بات با آسانی سمجھ میں آسکے اور اس کو سبق یاد کرنے میں سہولت ہو کیونکہ رسول اکرم ﷺ بات کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے بات کو دو یا تین بار دہرایا کرتے تھے۔

عن انس بن مالک قال: "كان رسول الله ﷺ يعيد الكلمة ثلاثا لتعقل عنه".[8]

سیدنا انس بن مالک سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بات کو تین مرتبہ دہراتے تاکہ سننے والے اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

- **بلاغت وفصاحت سے تدریس :**

ایک مثالی استاد کی گفتگو فصاحت و بلاغت سے لبریز ہونی چاہئے موضوع کی مکمل تفہیم کے لئے الفاظ کا انتخاب، مختصر جملوں کے علاوہ جملوں کی خاص ترکیب سے طالب علم کسی بھی الجھن اور مغالطے سے محفوظ رہتے ہیں۔ رسول

---

7 Al-Qushairi, Muslim bin Al-Hajjaj, Saheeh Muslim (Riyadh, Darus Sallam, 2007), Hadees No# 2593, 8: 22.

8 At-Tirmidi, Muhammad bin Eisa, (Beruit, Dar Ar-Risalah al-Alamiyah, 2009), Hadees No# 3969, 6: 232.

اللہؐ کو تمام عرب " افصح العرب " کہتا تھا اور آپؐ کی گفتگو کی تاثیر کا قائل تھا۔ آپؐ کو جوامع الکلم سے نوازا گیا تھا۔ یعنی آپ کے الفاظ مبارک کم اور معنی زیادہ ہوتے تھے۔ نیز آپ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے جو بھی اسے سنتا اسے سمجھ لیتا اور بہ وقت ضرورت ایک بات کو تین بار دہراتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ایک ایک بات آج امت کے پاس محفوظ ہے۔ حدیث مبارکہ ہے:"عَنْ عَائِشَةَ رضي اللہ عنها، قَالَتْ: كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامًا فَصْلًا يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ".[9]

"ام المومنین عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی گفتگو کا ہر لفظ الگ الگ اور واضح ہوتا تھا، جو بھی اسے سنتا سمجھ لیتا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے سے بڑے موضوع کو نہایت مختصر آسان جملوں میں مکمل کر دیتے تھے جیسے سمندر کو کوزے میں بند کیا جاتا ہے۔ مؤثر اور کامیاب تدریس کے لئے ایک استاد کو چاہئے کہ سیرت طیبہ سے فیض حاصل کرے۔ اپنی لسانی صلاحیتوں کی بناء پر مضامین کو سہل اور دلچسپ بنا کر طلبہ کو پیش کریں۔ ایک کامیاب اور مثالی استاد کے لئے لازمی ہے کہ وہ زبان کی فنی باریکیوں اور اس کی بنیادی مبادیات سے واقف ہوں تاکہ وہ طلبہ کو فوری اکتساب کے عمل کی جانب راغب کر سکے۔

- **مثالوں اور عملی نمونوں کے ذریعے تدریس:**

ایک کامیاب استاد اپنی تدریس کو مثالوں کے ذریعہ دلکش اور دلچسپ بناتا ہے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو اکثر مثالوں کے ذریعہ تعلیم دیتے تھے۔ ابوہریرہ سے حدیث مروی ہے: ایک صحابی نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے یہاں تو کالا بچہ پیدا ہوا ہے۔ اس پر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ اونٹ بھی ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ نبی کریمؐ نے دریافت فرمایا کہ ان کے رنگ کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سرخ رنگ کے ہیں۔ نبی کریمؐ نے دریافت فرمایا کہ ان میں کوئی سیاہی مائل سفید اونٹ بھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ نبی کریمؐ نے اس پر فرمایا کہ پھر یہ کہاں سے آ گیا؟ انہوں نے کہا کہ اپنی نسل کے کسی بہت پہلے کے اونٹ پر یہ پڑا ہو گا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اسی طرح تمہارا یہ لڑکا بھی اپنی نسل کے کسی دور کے رشتہ دار پر پڑا ہو گا۔[10]

9 As-Sajistani, Abu Daood, Sulaiman bin Ashas (Riyadh, Darus Sallam, 2008), Hadees# 4839, 7: 208.

10 10 Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail, Saheeh al-Al-Bukhari, Hadees No# 5305, 7: 53.

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مثالوں کی مدد سے اسباق کی وضاحت فرمایا کرتے تھے۔ مومن کے گناہوں کو خزاں میں پتوں کے جڑنے سے تشبیہ دیتے تھے کہ مومن کے گناہ اسی طرح جھڑ جائیں گے جس طرح موسم خزاں میں درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔ حضور اکرم کی حدیث سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مثالوں سے کسی چیز کی وضاحت کتنی ضروری ہے۔ معلم کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے سبق کو اچھی طرح سے تیار کریں اگر ٹھوس چیزیں مل جائیں تو ان کو پیش کرے ورنہ اصلی چیزوں کے ماڈل چارٹس وغیرہ پیش کر کے وضاحت کرے، کیونکہ ان کی مدد سے سبق کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے اور حضور نے آج سے کئی سو برس پہلے اس اصول پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی[11]۔

- **اسلوب اور اندازِ تعلیم:**

نبی اکرم ﷺ کی ایک خوبی یہ تھی کہ آپ تعلیم میں مختلف طریقے اور اسلوب استعمال فرماتے تھے اور سامعین کا خیال فرماتے اور ان کے عقلی معیار کے مطابق گفتگو فرماتے اور مختلف علمی مضامین کے اعتبار سے اسلوب بدلتے رہتے۔ غرضیکہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی تعلیم میں وہ تمام اسالیب اختیار فرمائے جو مفید سے مفید تر ہو سکتے ہیں اور آج کے اس ترقی کے دور میں اس سے بہتر کوئی علمی ادارہ نیا اسلوب نہیں پیش کر سکا۔ آپ ﷺ نے جن جن طریقوں کو اپنایا وہ درج ذیل ہیں:

i. بات چیت کا طریقہ۔
ii. اطلاعی یا بیانیہ طریقہ۔
iii. سوال وجواب کا طریقہ۔
iv. لیکچر یا خطابت کا طریقہ۔

لہٰذا کامیاب استاد کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ تدریس کے مختلف اسالیب اور انداز سے واقف ہو اور یہ جانتا ہو کہ کس فن کو کس طرح پڑھایا جاتا ہے اور خصوصاً اس فن کو جسے وہ پڑھا رہا ہے اور یہ بھی جانتا ہو کہ مضمون بدلنے یا طلباء کی ذہنی سطح اور اِستعداد کے مختلف ہونے سے اسلوب کس طرح بدلا جاتا ہے۔[12]

11 Ahmad Khan, Hafiz Mahboob, Misali Ustadh (Lahore, Maktaba al-Ilm, 2024), 405.

12 Ibid, 108.

- **طلبہ کی حوصلہ افزائی اور ترغیب:**

ایک کامیاب معلم طلبہ میں نہ صرف حصول علم کا شوق پیدا کرتا ہے بلکہ درس سے پہلے طلبہ کو حصول علم کے لئے آمادہ بھی کرتا ہے۔ درس کے درمیان مختصر وقفہ بھی دیں تاکہ طلبہ بوریت واکتاہٹ کا شکار نہ ہوں آپ ﷺ صحابہ کو ایک دن کے ناغے سے واعظ و نصیحت فرماتے تھے تاکہ وہ اکتاہٹ اور بوریت سے محفوظ رہیں۔ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ترغیب و دلچسپی کے لئے تعلیم سے قبل مختلف سوالات کے ذریعے مناسب ماحول اور فضاء پیدا کرتے تھے مثلاً مفلس کون ہے؟ یا پہلوان کون ہوتا ہے؟ یا وہ کون سا درخت ہے جو بہت ہی مبارک ہے؟ وغیرہ۔ ان تعلیمات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ معلم اپنے درس سے قبل تعلیمی ماحول و فضاء کو ہموار کرنے کے ساتھ طلبہ میں محرکہ پیدا کرے اور ان کو ترغیب دیں پھر درس و تدریس کا آغاز کریں۔ بیشتر ماہرین تعلیم اس نظریہ کے قائل ہیں کہ بغیر ترغیب و محرکہ پیدا کئے موثر تدریس ناممکن ہے۔ استاد چھوٹے چھوٹے سوالات کے ذریعے بڑی بڑی حقیقتوں سے طلبہ کو روشناس کرسکتے ہیں۔[13]

- **طلباء کے ساتھ شفقت ورحمت:**

ایک معلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ نہایت مشفق اور ہمدرد ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی، آپ معلم ہونے کے ساتھ ایک والد کی طرح مشفق اور مہربان بھی تھے، آپ کی زبان نہایت پاکیزہ تھی، آپ نے کبھی برے الفاظ سے کام نہیں لیا۔ ایک کامیاب معلم کی خوبی یہ ہے کہ وہ نہایت بلند اخلاق کا مالک ہو۔ نیز ایک معلم کا کمال یہ ہے تعلیم کے ساتھ شاگردوں کی صحیح تربیت بھی کرے اور خود اپنی ذات کو بطورِ عملی نمونہ پیش کرے۔

آپ ﷺ کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ".[14]

ترجمہ: "بے شک تمھارے لیے رسول اللہ کی زندگی بہترین زندگی ہے"۔

اور اسی طرح قرآن نے آپ کی زندگی کو پوری امت کے لیے بطورِ اُسوۂ حسنہ پیش کیا۔ لہٰذا اُستاد کو طلباء پر نہایت شفیق اور ان کے ساتھ نرمی اور رحم کا سلوک کرنا چاہیے، اُستاد طلباء کو اپنی اولاد کی طرح عزیز سمجھے، ان کی تعلیم پر خصوصی توجہ دے۔ ان کی تربیت، علم، اخلاق اور اَچھی عادات اپنانے میں ان پر اس طرح محنت کرے جس طرح اپنی اولاد کے لیے کرتا ہے۔

---

13 Ibid, 103.

14 Al-Ahzab 33, 21.

- **نظم وضبط کا خیال رکھنا:**

نبی کریم ﷺ کی شخصیت میں غیر معمولی نظم وضبط اور برتاؤ میں حد درجہ یکسانیت تھی۔ آپ ﷺ ہمیشہ ایک متوازن اور مستقل رویہ رکھتے، جس سے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا تھا کہ آپ ﷺ کی پسند اور ناپسند کیا ہے۔ یہی خوبی ایک معلم کے لیے بھی ضروری ہے تاکہ طلبہ ان کے جذبات کا احترام کر سکیں اور کسی ذہنی الجھن کا شکار نہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ معلم کو نرم مزاج، مستقل مزاج اور واضح رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہی خوبی ایک معلم میں ہونی چاہیے کہ وہ اپنے رویے میں مستقل مزاجی رکھے، تاکہ طلبہ ان کے انداز کو سمجھ کر بہتر انداز میں سیکھ سکیں اور ان کی عزت اور احترام کر سکیں۔[15]

- **خوش اخلاق:**

حضور کی خوش اخلاقی اور ملنساری کا یہ عالم تھا کہ اپنے پرائے، دوست، دشمن اور ان لوگوں سے جنہیں آپ ناپسند بھی کرتے تھے نہایت نرمی، خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے۔ حدیث مبارکہ ہے: "عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنهما قَالَ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا، وَكَانَ يَقُولُ: "إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا".[16]

عبد اللہ بن عمرو نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ بد زبان اور لڑنے جھگڑنے والے نہیں تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں (جو لوگوں سے کشادہ پیشانی سے پیش آئے)۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کی دلداری کا آپ کو بے حد خیال رہتا تھا۔ آپ جب بھی کسی سے ملتے تو خوش طبعی کا اہتمام کرتے۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ معلم کو بھی اپنے طلبہ کے ساتھ ملنسار اور خوش اخلاق ہونا چاہیے۔

- **صلاحیتوں کو پہچاننے والا ہو:**

ایک بچے کے اندر بے پناہ خداداد صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں۔ ان صلاحیتوں کو پہچان کر ان کو نشو نما دینا ایک مثالی استاد کی خوبی ہے۔ کس بچے کے اندر کیا صلاحیت ہے؟ کون عالم دین بن کر رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتا ہے، کون ڈاکٹر بن کر علاج کر سکتا ہے، کس کے اندر انتظامی صلاحیت ہے، کون ایک اچھا اور ایماندار تاجر بن سکتا ہے؟ ان سب صلاحیتوں کا ادراک کرنا ایک استاد کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ "أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ".[17]

---

15 15 Ahmad Khan, Hafiz Mahboob, Misali Ustadh, 77.

16 Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail, Saheeh al-Al-Bukhari, Hadees No# 3559, 4: 500.

17 As-Sajistani, Abu Daood, Sulaiman bin Ashas, Hadees No# 4842, 7: 210.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: " ہر شخص کو اس کے مرتبے پر رکھو" ۔

اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کسی نا اہل شخص کو اتنا بڑا مرتبہ نہ دے دیا جائے جس کا وہ اہل نہ ہو اور نہ کسی باصلاحیت آدمی کو نظر انداز کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو پرکھ لیتے تھے، مزید بہتر بنانے کے لیے ان کی تربیت بھی کرتے تھے اور اُن کے مطابق اُنھیں ذمہ داری سونپ کر ان سے کام لیتے تھے۔ افراد شناسی اور لوگوں کی صلاحیتوں سے استفادے کے لیے ان کو صحیح مقام و مرتبہ دینا ایک بہت ہی اہم خوبی ہے۔

مذکورہ بالا صفات و خصوصیات کے حامل اچھے استاد پیدا کیے بغیر کوئی بھی نظام تعلیم اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر ایک طرف اساتذہ کی تربیت، ان کا باعزت مقام حکومت اور عوام کی ذمہ داری ہے تو دوسری طرف خود استاد پر بھی بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ آج مادی طمع و حرص کے شکار معاشرے میں استاد خود زمانے کی رو کا شکار ہو کر معمار قوم کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔ سرمایہ دارانہ نظام اور زوال پزیر معاشرے میں استاد کو پہلے خود آشنا ہو کر اپنی اصلاح کرنی ہے، اس کے بعد ہی وہ تعمیر کردار و سیرت کا فریضہ انجام دے سکتا ہے۔ استاد خود کو پیغمبروں کی میراث معلمی کے وارث کہتے ہیں، لہٰذا انہیں معلم انسانیت کے اسوہ حسنہ سے راہنمائی حاصل کر کے اپنی کردار سازی کرنی ہے۔

مبحث دوم: طلبہ کے معاصر فکری تحدیات

طلبہ کسی بھی قوم کا قیمتی اثاثہ اور اس کے فکری و اخلاقی مستقبل کے معمار ہوتے ہیں۔ ان کی تربیت صرف تعلیمی میدان تک محدود نہیں، بلکہ فکری، نظریاتی اور اخلاقی تشکیل بھی لازمی ہے۔ عصرِ حاضر میں نوجوان طبقہ متعدد فکری چیلنجز سے دوچار ہے، جن میں الحاد، سیکولرزم، نظریاتی انتشار، سوشل میڈیا کا منفی استعمال، اور دینی شناخت کا بحران شامل ہیں۔ یہ چیلنجز ان کے عقائد، افکار اور اقدار کو متاثر کر رہے ہیں، جس سے ان کی شخصیت میں تذبذب اور کمزوری پیدا ہو رہی ہے۔ ایسے چیلنجز کا سامنا کرنا کوئی نیا امر نہیں۔ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی نوجوانوں کو معاشرتی جاہلیت، اخلاقی گراوٹ، عقائد کی بگاڑ، اور فکری پراگندگی جیسے سنگین مسائل کا سامنا تھا۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے ان نوجوان اذہان کو اعلیٰ تربیت، حکمت و نرمی، اور بصیرت کے ساتھ تیار کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت اسامہ بن زید، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت معاذ بن جبل اور دیگر نوجوانوں کی فکری اور عملی تربیت اس انداز سے فرمائی کہ وہ نہ صرف دین کے خادم بنے بلکہ امت کی فکری رہنمائی کا ذریعہ بھی بنے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اسی نبوی طریقہ تربیت کو سامنے رکھتے ہوئے طلبہ کو درپیش معاصر فکری چیلنجز کا تجزیہ کیا جائے، اور اساتذہ ان کے فکری و نظریاتی تحفظ اور رہنمائی کے لیے مؤثر کردار ادا کریں۔

اول :الحاد اور دین سے دوری

الحاد کی تعریف 'فیروز اللغات' میں اس طرح بیان کی گئی ہے: "سیدھے راستے سے کترجانا، دینِ حق سے پھر جانا، ملحد ہو جانا"[18]

جولین بیجینی نے "Atheism: A Very Short Introduction" میں الحاد کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

"It is the belief that there is no God or gods"[19]

ایک خدا یا کسی بھی خدا کو نا ماننے کا نام ایتھیزم یا الحاد ہے"

الحاد کا بنیادی مفہوم یہی ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا کہ خدا، رسول اور آخرت کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

الحادی فلسفہ کوئی نیا نہیں ہے، اس کی تاریخ بہت پرانی ہے، نمرود کا ابراہیمؑ کے سامنے اَنَا اُحۡيٖ وَاُمِيۡتُ[20] کا دعویٰ اور فرعون کا اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى[21] کا نعرہ بھی دراصل نظریہ الحاد کی سوچ کو تقویت دیتا ہے۔ قرآن میں الحاد کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے: "اِنَّ الَّذِيۡنَ يُلۡحِدُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا لَا يَخۡفَوۡنَ عَلَيۡنَا".[22] "جو لوگ ہماری آیات کو الٹے معنی پہناتے ہیں وہ ہم سے کچھ چھپے ہوئے نہیں ہیں"۔

پہلے زمانے میں مذہب کے مقابلے میں الحاد کا پھیلاؤ اس لیے بھی کم رہا کہ انبیاء کرامؑ اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ کیا کرتے تھے، جب کہ ملحد الحاد کے کبھی داعی نہیں رہے، اسی لیے ایک جانب توحید کے دعوے دار تھے اور دوسری جانب کسی نہ کسی صورت میں شرک پر عمل پیرا تھے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بڑے مذاہب میں صرف بدھ مت ہی ایسا مذہب ہے جس میں کسی خدا کا تصور نہیں پایا جاتا۔

ملحدین کے مطابق اس کائنات میں صرف وہی چیزیں حقیقی ہیں جو دیکھی، سنی یا محسوس کی جا سکتی ہیں۔ ان کے نزدیک روح، خدا، آخرت یا مابعد الطبیعیات جیسی چیزیں محض انسانی ذہن کی اختراع ہیں۔ فرضی اور خیالی باتیں۔ یہی وجہ ہے

---

18 Fairooz Uddin, Fairooz ul Lughat (Lahore, Fairoz Sons, 2010), 114.

Julian Baggini, Atheism: A Very Short Introduction (New York: Oxford University Press, 2003), 3.

19

20 Al- Baqarah 2, 258.

21 An-Naziat 79: 40.

22 Al-Araf 7: 180.

کہ آج دنیا میں بہت سے لوگ روزانہ مذہب چھوڑ کر الحاد کی طرف مائل ہو رہے ہیں، خاص طور پر سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کے ذریعے اس نظریے کو بڑے پیمانے پر پھیلایا جارہا ہے۔ نیٹ پر موجود ہزاروں ویب سائٹس، فورمز اور سوشل میڈیا گروپس میں لاکھوں افراد اس سوچ کی ترویج کر رہے ہیں۔ اور سب سے زیادہ نشانہ اگر کوئی مذہب بن رہا ہے تو وہ دین اسلام ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دیگر مذاہب اب صرف رسم ورواج تک محدود ہو چکے ہیں، جبکہ اسلام آج بھی ایک مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر موجود ہے، جو زندگی کے ہر پہلو میں انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے۔ ملحدین جانتے ہیں کہ اسلام ان کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام پر تنقید، اعتراضات اور شکوک و شبہات کے ذریعے اس کو کمزور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ ضعیف روایات، تاریخی واقعات کی غلط تشریحات اور سیرت کے کمزور پہلوؤں کو بنیاد بنا کر اسلام کو نشانہ بنا رہے ہیں۔

اس پس منظر میں یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے کہ الحاد کے اس فکری حملے کا سنجیدہ، منظم اور علمی جواب دیا جائے۔ ملحدین کے اعتراضات کا ٹھوس اور مدلل جواب دیا جائے اور نوجوان نسل کو اس فتنے کے اثرات سے بچایا جائے۔ اگر اس تحریک کی شدت اور وسعت کا اندازہ لگانا ہو تو نیٹ پر "جرأتِ تحقیق" جیسے فورمز اور پیجز دیکھ لینا کافی ہے، جو الحاد کے منظم پھیلاؤ کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔[23]

دوم: سیکولرازم

سیکولرازم (Secularism) انگلش زبان کا لفظ ہے۔ جس کا مطلب 'لادینیت' یا "دُنیویت" ہے اور یہ ایک ایسی اجتماعی تحریک ہے جو لوگوں کے سامنے آخرت کے بجائے اکیلی دنیا کو ہی ایک ہدف و مقصد کے طور پر پیش کرتی ہے۔ سیکولرازم محض ایک اصطلاح نہیں بلکہ ایک سوچ، فکر، نظریہ اور نظام کا نام ہے۔ سیکولرازم کبھی یکسر مذہب کا انکار کرتا ہے اور کبھی جزوی اقرار۔ انفرادی سطح پر مذہب کو قبول کرنا اور اجتماعی (معاشی، سیاسی اور ریاستی) سطح پر اسے رد کر دینا سیکولرازم کا جدید اسلوب ہے۔ دراصل 'سیکولرازم' مغرب کا تجربہ ہے جسے مغربی معاشروں نے صدیوں کی کشمکش کے بعد اختیار کیا ہے۔[24]

سیکولرازم عصر حاضر کے بڑے اور خطرناک فتنوں میں سرِ فہرست ہے۔ اس نظریے کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ دین کو دنیاوی معاملات، معاشرتی امور اور ریاستی نظام سے علیحدہ رکھا جائے۔ دوسرے الفاظ میں، سیکولرازم مذہب کو محض فرد کا ذاتی اور نجی معاملہ سمجھتا ہے، اور اجتماعی و ریاستی سطح پر دین کی مداخلت کو مسترد کرتا ہے۔ یہ نظریہ اسلام کی کاملیت، جامعیت اور ابدیت کے لیے ایک سنجیدہ خطرہ بن چکا ہے، کیونکہ اسلام محض چند عبادات یا رسوم کا نام نہیں، بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات اور

23 Saadi, Muhammad Sami Ullah, Mawjooda dowr ky fikri challenges awr Fudala ki zima dari

24 Faryad, Dr Shahid, Secularism aik taaruf (Lahore, Kitab Mahal, 2018), 7.

کامل نظامِ زندگی ہے۔ بد قسمتی سے آج امت مسلمہ مجموعی طور پر دانستہ یا نادانستہ سیکولر فکر سے متاثر ہو چکی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ستاون اسلامی ممالک میں سے کسی ایک میں بھی اسلام مکمل طور پر ریاستی سطح پر نافذ نہیں ہے۔ ایسے حالات میں طلبہ، جو معاشرے کا فکری و عملی سرمایہ اور مستقبل کے معمار ہیں، ان کی ذمہ داری دوچند ہو جاتی ہے۔ جدید تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ سیکولرازم کے اثرات کا براہِ راست نشانہ بنتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ اس فتنے کو محض ایک نظریاتی بحث نہ سمجھیں، بلکہ اسلام کے ہمہ گیر پیغام کو سمجھ کر اس کے دفاع کے لیے علمی تیاری کریں۔ طلبہ کو چاہیے کہ وہ اسلام کی جامعیت، کاملیت اور ہم عصر مسائل کے حل کی صلاحیت کو عصرِ حاضر کی زبان اور اسلوب میں دنیا کے سامنے پیش کریں، تاکہ سیکولرازم کے فکری یلغار کا مؤثر رد ممکن ہو سکے۔[25]

سوم: سوشل میڈیا کا منفی استعمال

سوشل میڈیا، جسے فارسی میں فضائے مجازی، عربی میں التواصل الاجتماعی اور اردو میں سماجی ذرائع ابلاغ کہا جاتا ہے، آج کے دور کا ایک طاقتور ذریعۂ ابلاغ بن چکا ہے۔ سوشل میڈیا، جسے فارسی میں فضائے مجازی، عربی میں التواصل الاجتماعی اور اردو میں سماجی ذرائع ابلاغ کہا جاتا ہے، آج کے دور کا ایک طاقتور ذریعۂ ابلاغ بن چکا ہے۔ یہ ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جو دو پہلوؤں پر مشتمل ہوتا ہے: ایک ذاتی (پرسنل) اور دوسرا عوامی (پبلک)۔ ذاتی پہلو میں فرد کا رابطہ مخصوص افراد تک محدود ہوتا ہے، جیسے میسنجر یا کسی کا ذاتی واٹس ایپ نمبر۔ جبکہ عوامی پہلو وہ جگہ ہے جہاں لوگ اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کرتے ہیں، اختلاف و اتفاق کا حق رکھتے ہیں، جیسے فیس بک کی پوسٹس یا واٹس ایپ گروپس۔[26] جہاں سوشل میڈیا نے دنیا کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے، وہیں اس کے منفی اثرات نے نوجوان نسل کو فکری، سماجی اور اخلاقی بحرانوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ آج نوجوانوں میں خود اعتمادی کی کمی عام ہو چکی ہے، کیونکہ وہ دوسروں کی مصنوعی کامیابیوں کو دیکھ کر اپنے آپ کو کمتر محسوس کرتے ہیں۔ تدبر و تفکر کی صلاحیت سطحی اور غیر سنجیدہ مواد کی وجہ سے کمزور پڑ گئی ہے۔ حقیقی رشتوں سے دوری روز بروز بڑھ رہی ہے۔ صحت پر منفی اثرات، نیند کی کمی، اور جسمانی کمزوری جیسی بیماریاں عام ہو چکی ہیں۔ سوشل میڈیا نے تنہائی، سماجی دباؤ کو جنم دیا ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں سوشل میڈیا کی دنیا میں الجھ کر اپنے دین، تہذیب اور اخلاقی روایات سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ گھروں میں افراد ایک دوسرے سے بیگانہ ہو گئے ہیں، مطالعہ کتب کی جگہ فضول چیٹنگ نے لے لی ہے، جبکہ سوشل میڈیا پر جھوٹی پوسٹوں، گالی گلوچ، چغلی اور الزام تراشی کا بازار گرم ہے۔ دشمنانِ اسلام بھی سوشل میڈیا کو مقدس ہستیوں کی توہین اور

---

25 Al-Qardavi, Dr Yuosaf, Islam awr Secularism (Islamabad, Almi Idara fikr Islami, 2015), 107.

26 Mahir, Nadeem, Social Midia fawaid awr Nuqsanat (Deoband, AS Graphics, 2023), 35.

امت مسلمہ کی دل آزاری کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ شخصی آزادی کے نام پر ہر قسم کی بے راہ روی کو عام کیا جا رہا ہے، اور نجی معلومات کا غلط استعمال کر کے معصوم لوگوں کو بلیک میل کیا جا رہا ہے۔[27]

اسی طرح سوشل میڈیا نے مذہبی شدت پسندی کو فروغ دیا ہے، جہاں انتہا پسند نظریات تیزی سے پھیل کر نوجوانوں کو اعتدال سے دور کرتے ہیں۔ سیاسی شدت پسندی بھی عام ہو گئی ہے، جہاں مختلف نظریات رکھنے والوں کے درمیان نفرت اور تعصب بڑھتا جا رہا ہے۔ عدم برداشت کا رویہ معاشرے میں شدت اختیار کر چکا ہے اور اختلاف رائے کی گنجائش کم ہوتی جا رہی ہے۔ سوشل میڈیا پر فحاشی، بے حیائی اور عریانی کا فروغ نوجوانوں کے اخلاق و کردار کو بری طرح نقصان پہنچا رہا ہے۔ آخر کار، مسلسل دنیاوی خیالات کے زیر اثر نوجوانوں میں مذہب سے بیزاری اور روحانی خلا بڑھتا جا رہا ہے، جو ان کی فکری و اخلاقی زبوں حالی کی ایک خطرناک علامت ہے۔ یوں سوشل میڈیا کا غیر ذمہ دارانہ استعمال موجودہ نسل کے لیے ایک ہمہ گیر فکری، اخلاقی اور سماجی چیلنج بن چکا ہے۔[28]

اسلام نے سختی سے ان اعمال سے روکا ہے جو دوسروں کو ایذا دیں، یا ان کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچائیں۔ حدیث مبارکہ ہے: "عن ابي برزة الاسلمي ﷛، قال: قال رسول الله ﷺ:"يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ، لا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ، وَلا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ تَتَبَّعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ حَتَّى يَفْضَحَهُ فِي بَيْتِهِ". [29]

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی زبان سے اور حال یہ ہے کہ ایمان اس کے دل میں داخل نہیں ہوا ہے مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو، اس لیے کہ جو ان کے عیوب کے پیچھے پڑے گا، اللہ اس کے عیب کے پیچھے پڑے گا، اور اللہ جس کے عیب کے پیچھے پڑے گا، اسے اسی کے گھر میں ذلیل ورسوا کر دے گا۔

یہ حدیث مبارکہ ہمیں متنبہ کرتی ہے کہ محض ظاہری دعویٰ کافی نہیں، بلکہ دل سے پختہ ایمان اور اسلامی اخلاقیات کو اپنانا ضروری ہے۔ جب دل ایمان سے خالی ہوں تو طلبہ دوسروں کی عزت پامال کرنے، غیبت اور بہتان میں ملوث ہو جاتے ہیں، جو کہ سوشل میڈیا پر عام ہوتا جا رہا ہے۔

---

27 Ibid, 45.

28 Ibid, 45.

29 As-Sajistani, Abu Daood, Sulaiman bin Ashas, Hadees No# 4880, 7: 241.

چہارم: انتہا پسندی

آج کے دور میں طلبہ کو جن بڑے فکری چیلنجز کا سامنا ہے، ان میں ایک اہم چیلنج انتہا پسندی ہے۔ انتہا پسندی یا شدت پسندی سے مراد ایسا غیر لچکدار رویہ ہے جس کے نتیجہ میں اپنے عقائد، نظریات اور خیالات کے خلاف کسی دوسرے کی بات کو نہ سنا جائے، اختلاف رائے کا احترام ختم ہو جائے اور گفتگو و ڈائیلاگ کے ذریعے مسائل کا حل ممکن نہ ہو انتہا پسندی یا شدت پسندی کہلاتا ہے۔ انتہا پسندی کی ایک تعریف یہ بھی کی جاتی ہے کہ میانہ روی کو ترک کر دینا، کیونکہ انتہا پسند کوئی بھی ہو وہ چیزوں کو اپنے ہی انداز سے دیکھتا ہے، جس کی وجہ سے میانہ روی چھوڑ کر شدت پسندی اپنا لیتا ہے۔

انتہا پسند کسی دوسرے نظریہ اور کسی دوسری سوچ کو اہمیت نہیں دیتا اور صرف اپنے ہی نظریہ کو درست سمجھتا ہے۔ یہ کسی دوسرے کے عقیدہ، خیالات، نظریہ اور سوچ کو برداشت کر ہی نہیں سکتے بلکہ صرف اپنے عقیدے، نظریہ اور خیالات کو ہی تسلیم کرانا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انتہا پسند معاشرے ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں اور جلد ان کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔[30]

افسوس کہ آج کے طلبہ مکالمے اور رواداری کی روایت سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور جذباتیت اور شدت پسندی کے اثرات کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور ایک ایسے دور میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں جہاں فکری شدت پسندی ایک بڑا چیلنج بن چکی ہے۔ انفرادی انتہا پسندی کی وجہ سے بعض طلبہ ذاتی تعصبات، احساس کمتری یا غصے کی بنیاد پر انتقامی رویہ اختیار کر لیتے ہیں، جو ان کے کردار اور علمی صلاحیت کو متاثر کرتا ہے۔ قومی انتہا پسندی کا رجحان بھی طلبہ میں پایا جاتا ہے کہ بعض اوقات وہ اپنے علاقے، قوم یا زبان کو برتر سمجھ کر دوسروں کو حقیر جاننے لگتے ہیں، جس سے تعلیمی ماحول میں نفرت اور تقسیم پیدا ہوتی ہے۔ یہ رویے نہ صرف ان کی علمی ترقی میں رکاوٹ بنتے ہیں بلکہ معاشرتی ہم آہنگی کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔ مذہبی اور مسلکی انتہا پسندی بھی ایک بڑا فکری چیلنج ہے، جو بعض طلبہ کو فرقہ وارانہ تعصبات کا شکار کر دیتی ہے اور انہیں اپنے ہم وطنوں کو دشمن تصور کرنے کی طرف مائل کرتی ہے۔ اسی طرح نظریاتی انتہا پسندی بھی طلبہ کے معاصر چیلنجز میں سے ایک ہے۔ کچھ طلبہ کسی خاص سیاسی، معاشرتی یا فکری نظریے کو اس شدت سے اپناتے ہیں کہ وہ دوسرے خیالات سننے اور سیکھنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں۔[31]

سیرتِ طیبہ ہمیں سکھاتی ہے کہ اسلام اعتدال، عقل اور حکمت کا دین ہے۔ موجودہ دور کے طلبہ کو چاہیے کہ وہ علم اور تحقیق کی بنیاد پر اپنی سوچ کو پروان چڑھائیں اور اپنے رویے میں توازن پیدا کریں۔ اس سب کی بنیاد پر جب طلبہ کو سچائی کی

30 Akbar, Muhammad Tahir, Fiqhus Seerah, Fqhus Seerah ki rooshni mai intiha pasandi k awamil ku awamil awr tadaruk, Al-Absaar Research Journal, Volume: 1, Issue# 1, 2022.

31 Ibid.

کھوج، سوال کرنے کی آزادی اور تحقیق کی ترغیب نہیں دی جاتی، تو ان کے اندر تنگ نظری اور شدت پسندی پیدا ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ اختلاف رائے کو برداشت کیا اور دوسروں کی رائے کو سنا، جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف مشورے سن کر حکمت سے فیصلہ فرمایا۔ طلبہ کو آج ایسے علمی اور فکری ماحول کی ضرورت ہے جہاں تنقید برائے اصلاح ہو اور دوسروں کے مؤقف کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی جائے۔ اس طرح طلبہ اپنے علمی سفر کو شدت پسندی سے بچا کر ایک بہتر معاشرتی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

پنجم: مغربی نظام تعلیم اور تہذیب کا اثر

آج کا طالب علم ایک ایسے دور میں تعلیم حاصل کر رہا ہے جہاں مغربی تہذیب کا فکری، سماجی، تعلیمی اور ثقافتی غلبہ نمایاں ہو چکا ہے۔ مغربی فکر نے مادیت پرستی، انفرادیت اور خود مختاری جیسے نظریات کو فروغ دیا ہے، جس کی وجہ سے نوجوان نسل اپنی دینی شناخت، روایتی اخلاقیات اور روحانی قدروں سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ تعلیم کا بنیادی مقصد جو کہ انسان سازی اور تزکیہ نفس تھا، اب محض معاشی ترقی اور مادی فائدے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ نتیجتاً طلبہ میں مقصدِ حیات کا بحران پیدا ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے وہ فکری انتشار، اخلاقی بے راہ روی، روحانی خلا اور تہذیبی احساسِ کمتری جیسے مسائل کا شکار ہو رہے ہیں۔ مغربی ثقافتی یلغار نے طلبہ کی سوچ میں ایسی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں کہ وہ اپنی روایات کو پسماندگی اور مغربی اقدار کو ترقی کی علامت سمجھنے لگے ہیں۔

مغربی نظام تعلیم اور مغربی نصاب تعلیم لادینیت پر مبنی ہے۔ مغربی مفکرین اور مغربی تہذیب نے اپنے علوم و فنون میں سے خدا کو قطعی طور پر بے دخل کر دیا ہے۔ لادینی فلسفہ حیات پر مبنی اس مغربی نظام تعلیم کے تمام مضامین، خدا کے تصور کے بغیر تشکیل دیئے گئے ہیں۔ ان مفکرین کے طے کردہ نصاب کی تدریس و تعلیم کے پراسیس کے ساتھ ساتھ لادینی ذہن بھی بنتا رہتا ہے۔ انگریزی زبان کے ذریعے، مغربی تہذیب و ثقافت، مغربی افکار اور لادینی نظریات طلبہ کے ذہنوں کو اسلامی تعلیمات سے دور لے جاتے ہیں۔ مغربی فکر نے دھوکا، فریب، مکاری اور بلیک میلنگ جیسے قبیح طریقوں سے معاشرے کو انتہائی پستی تک پہنچا دیا۔[32]

32 Hijazi, Zafar Hussain, Allama Iqbal awr Maghribi Tahzeeb ki fikri bunyaden (Karachi, Idara Maarif Islami, 2021), Research Journal, Issue# 8, 2021, 125.

مغربی تہذیب و ثقافت کی بنیاد انکار خدا پر ہے۔ مغربی مفکرین نے ہر قسم کی پابندی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے مذہب سے بھی چھٹکارا حاصل کیا اور آزادی افکار کا حق بھی حاصل کیا۔ آزادی افکار کو ایسی پذیرائی ہوئی کہ آزاد خیال یورپی اقوام کی فکر و نظر میں رچ بس گئی۔[33]

مغرب کی لادینی فکر و تہذیب نے نہ صرف یورپ کو بلکہ پوری دنیا کو اخلاقی اور روحانی طور پر مفلوج کر دیا ہے۔ یورپ نے جن علوم میں ترقی کی ہے۔ یہ بھی اسے سکون و اطمینان قلب نہیں دے سکتے۔ آج سائنس کی بے پناہ ترقیوں کے باوجود انسان اخلاقی اور روحانی طور پر اسی سکون سے محروم ہے جو بنی نوع انسان کے لیے ناگزیر ہے اور اسی طمانیت قلب کے لیے انسان مکمل زندگی جدوجہد کرتا ہے۔ آج کا انسان خیر کو صرف مادی ترقی پر منحصر سمجھتا ہے جب کہ اصل ترقی کے حصول کے لیے بنی نوع انسان کو اللہ تعالی کی معرفت حاصل کر کے اس کے نبیوں کی بتائی ہوئی راہ حق پر چلنا اور اللہ کی کتابوں کے مطابق اس صراط مستقیم کو اختیار کرنا ہے جو انبیاورسل نے اختیار کی۔ انھی تعلیمات کو فراموش کر کے انسان نے مادی ترقی کو مقصود ٹھہرا کر جو سفر شروع کیا اس کے نتیجے میں اسے دین واخلاق کو چھوڑ دینا پڑا۔[34]

مبحث سوم: سیرت طیبہ کی روشنی میں طلبہ کی فکری تعمیر میں استاد کا کردار

طلبہ کسی بھی قوم کی فکری، نظریاتی اور اخلاقی تعمیر میں بنیادی ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں جب طلبہ الحاد، سیکولرازم، نظریاتی انتشار، اخلاقی زوال اور سوشل میڈیا کے منفی اثرات جیسے شدید فکری چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں، تو ان حالات میں استاد کی ذمہ داریاں مزید بڑھ گئی ہیں۔ استاد صرف علم دینے والا نہیں بلکہ فکری رہنما، کردار ساز اور نظریاتی محافظ بھی ہے۔ ایک معلم کا کام صرف نصابی تعلیم تک محدود نہیں، بلکہ طلبہ کی سوچ، ان کے عقائد، ان کے اخلاق اور ان کے نصب العین کو سنوارنا بھی اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی خود ایک معلم اور مربی کی حیثیت سے نوجوانوں کی تربیت میں شفقت، حکمت، اور بصیرت کو بنیادی اصول بنایا۔ انہیں چاہیے کہ طلبہ کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے شبہات کا علمی اور مثبت انداز میں ازالہ کریں، اور انہیں اسلام کی آفاقی تعلیمات سے جوڑ کر ایک مضبوط فکری اور اخلاقی بنیاد فراہم کریں۔ عصر حاضر کے اس فکری معرکہ میں اساتذہ کو نبوی اسلوبِ تربیت کو اپناتے ہوئے بصیرت، شفقت، اور حکمت کے ساتھ اپنے کردار کو ادا کرنا ہو گا تاکہ طلبہ خود اعتمادی، دینی وابستگی اور فکری استقامت کے ساتھ زندگی کے میدان میں اتر سکیں۔

---

33 Ibid, 127.

34 Hijazi, Zafar Hussain, Allama Iqbal awr Maghribi Tahzeeb ki fikri bunyaden, 130.

ذیل میں استاد کے چند اہم کردار بیان کیے گئے ہیں جو وہ طلبہ کی فکری تعمیر میں ادا کرتا ہے:

1. عقائد کی مضبوطی اور فکری رہنمائی کا ذریعہ:

استاد کا پہلا اور بنیادی کردار یہ ہے کہ وہ طلبہ کے عقائد کو مضبوط کرے اور انہیں فکری رہنمائی فراہم کرے۔ الحاد اور تشکیک کے اس دور میں جب نوجوان مختلف سوشل پلیٹ فارمز سے متاثر ہو کر دین سے دور ہو رہے ہیں، استاد کو سیرتِ نبوی سے رہنمائی لینی چاہیے۔ نبی کریمؐ نے بھی مکہ کے مشرکین اور بعد میں یہود و نصاریٰ کے سوالات کا نہایت حکمت، دلیل اور بردباری سے جواب دیا۔ اسی طرح استاد کو بھی طلبہ کے سوالات کو سن کر انہیں قرآن و سنت اور عقل و منطق کی روشنی میں تسلی بخش جواب دینا چاہیے، تاکہ الحادی افکار کا سدباب ہو سکے۔

2. علم کی ترسیل اور فکری افق کی وسعت:

استاد کا بنیادی کردار علم کی منتقلی ہے، لیکن ایک قابل استاد صرف معلومات کی ترسیل پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ طلبہ کی فکری دنیا کو وسیع کرتا ہے۔ وہ اُنہیں اس قابل بناتا ہے کہ وہ سوالات کریں، مختلف زاویہ ہائے نظر سے سوچیں، اور موجودہ علم کو نئے تناظر میں دیکھنے کی صلاحیت پیدا کریں۔ وہ علمی حدود کو چیلنج کرنے کا حوصلہ دیتا ہے اور طلبہ کو علم کی گہرائیوں میں اُترنے کی ترغیب دیتا ہے۔ آج کے دور میں استاد کا یہ فرض ہے کہ وہ خود بھی جدید فکری چیلنجز سے نمٹنے کے لیے مسلسل اپنے علم میں اضافہ کرتا رہے۔ نبی کریم ﷺ کو معلم انسانیت کہا جاتا ہے۔ آپؐ نے صرف وحی کو منتقل نہیں کیا بلکہ صحابہ کرام کی فکری تربیت کی۔۔ آپؐ نے ہمیشہ علم کی اہمیت پر زور دیا اور صحابہ کرام کو بھی علم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے علم کو مسلسل بڑھاتا رہے اور طلبہ کو بتائے کہ علم حاصل کرنا صرف دنیا کی کامیابی کے لیے نہیں بلکہ آخرت کی کامیابی کے لیے بھی ضروری ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے سوالات کی حوصلہ افزائی کی، جیسا کہ حضرت جبریل کا ایمان، اسلام اور احسان سے متعلق سوال کرنا ایک تعلیمی طریقہ تھا۔[35]

3. تنقیدی سوچ کی تربیت:

فکری تعمیر میں تنقیدی سوچ بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ استاد طلبہ کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ ہر بات کو بغیر تحقیق قبول نہ کریں، بلکہ ہر نظریے کو پرکھیں، سوال کریں، اور مختلف آراء کا تجزیہ کریں۔ یہ صلاحیت انہیں تعصب، اندھی تقلید، اور فکری جمود سے نجات دلاتی ہے۔ ایک باشعور استاد طلبہ کو سوالات کرنے، دلیل دینے، اور دلائل کی بنیاد پر رائے قائم کرنے کی

35 Al-Qushairi, Muslim bin Al-Hajjaj, Hadees No# 4499, 4: 1793.

تربیت دیتا ہے۔ آپؐ نے صحابہ کو اختلافِ رائے کی تربیت دی، جیسے غزوۂ خندق میں حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے کو قبول کرنا، اور بعض مواقع پر اجتہاد کی اجازت دینا۔

4. اخلاقی و فکری اقدار کی منتقلی:

علم کے ساتھ اخلاق کی تعلیم بھی استاد کی ذمہ داری ہے۔ استاد کا کردار محض تعلیم تک محدود نہیں بلکہ وہ عملی کردار، اخلاقی اقدار، اور انسانی رویوں کی عملی تصویر بھی ہوتا ہے۔ سچائی، دیانت داری، برداشت، انکساری، اور احترام جیسی صفات استاد کے عمل سے طلبہ میں منتقل ہوتی ہیں۔ یہ اقدار طلبہ کی فکری تشکیل میں بنیاد فراہم کرتی ہیں، جس کے بغیر علم ادھورا ہوتا ہے۔ آپؐ کا اخلاق ہی لوگوں کو متاثر کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ استاد کا طرزِ عمل، گفتگو، وقت کی پابندی، اخلاص، تحمل اور بردباری طلبہ کے دل و دماغ پر دیرپا اثر چھوڑتی ہے۔ ایک باعمل، بااخلاق اور صاحبِ کردار استاد، طلبہ کو فکری انحراف سے بچانے میں سب سے مؤثر ذریعہ بن سکتا ہے۔

5. مطالعے کی عادت اور علمی تجسس کو فروغ دینا:

ایک استاد طلبہ کو محض کتابی علم تک محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ اُن میں مطالعے کی عادت، تحقیق کا شوق، اور علمی سوالات کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ وہ اُنہیں صرف جوابات دینا نہیں سکھاتا بلکہ سوالات کرنا بھی سکھاتا ہے۔ یوں طلبہ کے اندر ایک مسلسل علمی پیاس پیدا ہوتی ہے جو اُنہیں زندگی بھر سیکھنے کی راہ پر گامزن رکھتی ہے۔ نبی کریمؐ نے علم کے طلبگاروں کو سراہا اور فرمایا: "مَن سَلَكَ طَرِيقًا يَلتَمِسُ فِيهِ عِلمًا، سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الجَنَّةِ".[36]

"جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے راستہ اختیار کرتا ہے، اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے۔"

یہی جذبہ استاد طلبہ کے اندر پیدا کرتا ہے تاکہ وہ خود علمی کا سفر اختیار کریں۔

6. مثبت گفتگو اور مباحثے کی تربیت:

موجودہ دور میں اختلاف رائے کو برداشت کرنا اور شائستگی سے گفتگو کرنا ایک ناپید ہنر بنتا جا رہا ہے۔ استاد طلبہ کو سکھاتا ہے کہ وہ مخالف نظریات کو سنیں، ان کا تجزیہ کریں، اور دلائل کے ساتھ مؤثر انداز میں اپنی بات کہنے کا سلیقہ سیکھیں۔ یہ تربیت اُنہیں معاشرے میں فکری ہم آہنگی، رواداری، اور مکالمے کے فروغ میں مدد دیتی ہے۔

حدیث مبارکہ ہے: "قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ".[37]

36 At-Tirmidi, Muhammad bin Eisa, Hadees No#2646, 5: 27.

37 Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail, Saheeh al-Al-Bukhari, Hadees No# 10, 8: 284.

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ ادب اور تحمل سے بات کی۔ نبی اکرمؐ نے صحابہ کرام کو شائستگی سے اختلاف کرنے اور بغیر بد تمیزی کے رائے دینے کی اجازت دی، جو آج کے مکالماتی کلچر کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔

7. سماجی و فکری شعور کی بیداری:

ایک باشعور استاد طلبہ کو محض انفرادی کامیابی کی دوڑ میں نہیں جھونکتا بلکہ وہ اُنہیں معاشرے اور دنیا کے مسائل کا شعور دیتا ہے۔ وہ اُنہیں سکھاتا ہے کہ تعلیم کا مقصد صرف ذاتی ترقی نہیں بلکہ معاشرتی بہتری اور خدمت خلق بھی ہے۔ یوں طلبہ معاشرتی ناانصافی، غربت، تعلیم کی کمی، ماحولیاتی مسائل، اور انسانی حقوق جیسے موضوعات پر سوچنے اور عمل کرنے کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے طلبہ کو فرد نہیں، اُمت کی فکری اکائی کے طور پر تیار کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "ان عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ يقول: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ".[38] عبداللہ بن عمر نے کہا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہو گا۔ آپؐ نے تعلیم دی کہ ایک فرد کا شعور سماج کی اصلاح کا ذریعہ بنتا ہے، اور استاد اس شعور کا پہلا منبع ہے۔

8. طلبہ کی عملی تربیت میں استاد کا کردار:

استاد کا کردار صرف نصابی معلومات کی فراہمی تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اسے طلبہ کی عملی تربیت پر بھی بھرپور توجہ دینی چاہیے۔ عملی تربیت کا مطلب ہے کہ طلبہ کو وہ صلاحیتیں، رویے اور عادات سکھائی جائیں جو انہیں ایک باعمل، بااخلاق اور ذمہ دار فرد بننے میں مدد دیں۔ سیرتِ نبوی سے ہمیں یہ سیکھنے کو ملتا ہے کہ آپؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو صرف علم ہی نہیں سکھایا بلکہ ان کی عملی زندگی میں بھی رہنمائی فرمائی، ان کی تربیت کی، اور انہیں معاشرے کا فعال اور باکردار رکن بنایا۔ ایک استاد کو چاہیے کہ وہ اس سیرت کو نمونہ بنا کر طلبہ کو عملی میدان میں کام کرنے، خدمت خلق، دیانت داری، وقت کی پابندی، اور سچائی جیسے اوصاف میں تربیت دے۔ طلبہ کی عملی تربیت کے لیے استاد کو کلاس روم سے باہر بھی کردار ادا کرنا چاہیے۔ مختلف عملی سرگرمیوں جیسے ڈبیٹ، سیمینار، سوشل سروس، اور پروجیکٹس کے ذریعے طلبہ کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ میں قیادت، ٹیم ورک، اور مسئلہ حل کرنے کی صلاحیتیں پیدا کرے تاکہ وہ صرف علم کے حامل نہ ہوں بلکہ

38 Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail, Saheeh al-Al-Bukhari, Hadees No# 893, 2: 793.

اس پر عمل کرنے کے قابل بھی بن سکیں۔ اس طرح کے اقدامات نہ صرف طلبہ کو زندگی کے عملی میدان میں کامیاب بناتے ہیں بلکہ انہیں معاشرے کی بہتری میں مؤثر کردار ادا کرنے والا فرد بھی بناتے ہیں۔[39]

9. سیرتِ نبوی کو مرکزی حوالہ بنانا:

استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ سیرتِ طیبہ کو ہر موضوع میں مرکزی حیثیت دے۔ چاہے وہ عقیدہ ہو، معاشرت ہو، سیاست ہو یا تعلیم، نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہر پہلو میں مکمل نمونہ ہے۔ جب استاد سیرت کو طلبہ کے سامنے عصری چیلنجز کے حل کے طور پر پیش کرے گا، تو طلبہ اسلام سے وابستگی کو صرف عبادات تک محدود نہیں سمجھیں گے بلکہ اسے ایک مکمل نظامِ حیات کے طور پر قبول کریں گے۔

10. شخصیت سازی میں استاد کا کردار:

انسان کی شخصیت سازی ایک مسلسل اور بامقصد سفر ہے، جس کا آغاز والدین سے ہوتا ہے، لیکن اس سفر کو سمت دینے، شعور عطا کرنے اور حیات کا نصب العین واضح کرنے میں جس شخصیت کا کلیدی کردار ہوتا ہے، وہ استاد ہے۔ استاد نہ صرف علم دینے والا ہے، بلکہ وہ زندگی کی روشنی، فکر کی سمت، اور کردار کی تعمیر کرنے والا معمار ہے۔ وہی استاد ایک طالب علم کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر علم کی روشنی میں لاتا ہے، لاشعور سے شعور کی طرف سفر کرواتا ہے، اور اس کے دل میں خالق کی عظمت، انسانیت کا احترام، اور مقصدِ حیات کی سچائی پیدا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا". نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔[40]

آپ ﷺ نے تعلیم کو صرف الفاظ کی ترسیل نہیں بلکہ ایک تربیتی عمل بنایا، جس میں سیرت، کردار، اور بصیرت کی بنیاد رکھی گئی۔ آپؐ کے تربیت یافتہ صحابہؓ اس بات کا عملی مظہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی زندگیوں میں علم، حکمت، قیادت، اور قربانی جیسے عظیم اوصاف نظر آتے ہیں۔ ان کی یہ عظمت دراصل نبیؐ کی تعلیم و تربیت کا عکس تھی، جیسا کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ نے اسلامی تہذیب کی بنیاد رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ استاد کو "قوم کا معمار" کہا جاتا ہے، کیونکہ وہی آنے والی نسلوں کی فکری، اخلاقی، روحانی، اور علمی تعمیر کرتا ہے۔

---

39 Qasmi, Abdul Latif, Asateza ka kirdar awr chand Amali Namoony (Bigloor, Jamia Ghais ul Huda, 2023), 137.

40 Ibn e Majah, Abu Abd Ullah Muhammad bin Yazeed al-Qazveeni (Beruit, Dar Ar-Risalah al-Alamiyah, 2009), Hadees NO# 229, 1: ...

11. سوشل میڈیا کے منفی اثرات سے تحفظ:

سوشل میڈیا کے منفی اثرات سے بچاؤ کے لیے استاد کا کردار بہت اہم ہے۔ استاد کا کردار صرف کلاس روم تک محدود نہیں، بلکہ ڈیجیٹل دنیا کی تربیت بھی اسی کا کام ہے۔ نبی کریمؐ نے ہمیشہ حکمت، معقولیت اور اعتدال کا درس دیا۔ استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو سوشل میڈیا کے مثبت استعمال کی تعلیم دے اور انہیں بتائے کہ کس طرح اس پلیٹ فارم پر اپنی موجودگی کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ سیرتِ نبوی میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے تمام حالات میں اعتدال کا راستہ اختیار کیا، اور آج کے دور میں بھی استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو توازن اور اعتدال کا درس دے۔ انہیں ساتھ ہی یہ سکھائے کہ دعوت و اصلاح کے لیے بھی ڈیجیٹل ذرائع کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

12. انتہاپسندی کے خلاف اعتدال کا فروغ:

انتہاپسندی ہو یا لامذہبیت، دونوں فکری انتہائیں ہیں۔ انتہاپسندی کے خلاف استاد کا کردار نہایت اہم ہے۔ نبی کریمؐ نے ہمیشہ مسلمانوں کو توازن اور اعتدال کی طرف راغب کیا۔ سیرتِ نبوی میں ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ آپؐ نے اپنی تعلیمات میں اعتدال کو فروغ دیا اور مسلمانوں کو اختلافات میں بھی رواداری کا سبق دیا۔ استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ میں افراط و تفریط سے بچنے کا شعور پیدا کرے۔ ہر چیز میں توازن، ہر رائے کا احترام، اور گفتگو کا مہذب انداز سکھائے۔ اس سے طلبہ فکری طور پر متوازن اور جذباتی رویوں سے محفوظ رہیں گے۔[41]

13. نصاب کی تیاری:

نصاب کے حوالے سے استاد کا کردار بہت اہم ہے کیونکہ نصاب میں شامل مواد طلبہ کی فکری تربیت، اخلاقی رہنمائی، اور ذہنی نشوونما میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ نصاب میں ایسی کتابیں اور موضوعات شامل کرے جو طلبہ کی فکری چیلنجز کا مقابلہ کرنے میں مدد دیں، اور انہیں اسلامی عقائد، اخلاقیات، تنقیدی سوچ، اور سوشل میڈیا کے صحیح استعمال کے بارے میں آگاہ کرے تاکہ وہ جدید دور کے چیلنجز سے نمٹنے کے قابل ہو سکیں۔ نصاب میں قرآن اور حدیث کی تعلیمات کو اہمیت دینی چاہیے تاکہ طلبہ اپنی زندگی کے مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کر سکیں۔ استاد کو چاہیے کہ وہ قرآن اور

41 Muhammad Tahir Akbar, Fiqh us Seerah ki rooshni mai intiha pasandi k awamel awr tadaruk, Al-Absaar, Researh Journal, Volume#1, Issue# 1, 2022.

حدیث کے ذریعے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بہتر بنانے کی کوشش کرے، تاکہ طلبہ اپنے فکری چیلنجز سے نمٹنے کے لیے صحیح رہنمائی حاصل کر سکیں۔[42]

استاد محض معلومات کا ذخیرہ یا نصاب پڑھانے والا فرد نہیں، بلکہ ایک فکری معمار اور رہنما ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی ذمہ داری کو اخلاص، فکری بصیرت، اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے ساتھ نبھائے، تو وہ طلبہ کو محض کامیاب افراد نہیں بلکہ باشعور، باکردار، اور مفکر انسان بنا سکتا ہے، جو نہ صرف اپنی ذات بلکہ اپنے معاشرے اور امت کے لیے بھی فائدہ مند ثابت ہوں گے۔ آخر میں، استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو یہ باور کرائے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو بتائے کہ اسلام میں ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ اسلام ہر دور کے تقاضوں کے مطابق رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو یہ یقین دلائے کہ وہ جدید دور کے تمام چیلنجز کا مقابلہ کر سکتے ہیں اگر وہ اسلام کی صحیح تعلیمات کو سمجھیں اور ان پر عمل کریں۔

نتائج تحقیق:

تحقیق سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں:

- سیرتِ نبوی ﷺ میں استاد کا کردار صرف علم دینا نہیں بلکہ کردار سازی اور تربیتِ نفس بھی شامل ہے۔
- نبی کریم ﷺ نے شفقت، حکمت، اور ذاتی مثال کے ذریعے طلبہ کی تربیت فرمائی۔
- اخلاق، ادب، سچائی، صبر اور دیانت جیسے اوصاف آپ ﷺ نے عملی طور پر سکھائے۔
- استاد کا نرم لہجہ، مثبت رویہ، اور انفرادی توجہ شخصیت پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔
- سیرتِ طیبہ میں استاد و شاگرد کا رشتہ محبت، عزت اور اعتماد پر مبنی ہوتا ہے۔
- طلبہ کو ان کی صلاحیت کے مطابق تربیت دی جاتی تھی، یکساں رویہ نہیں اپنایا جاتا تھا۔
- نبی کریم ﷺ نے طلبہ کے سوالات کو خوش دلی سے سنا اور رہنمائی فرمائی۔
- آپ ﷺ نے طلبہ کو صرف علمی نہیں بلکہ معاشرتی، روحانی، اور اخلاقی اعتبار سے بھی تیار کیا۔

42 Afzal Hussain, Fan e Taleem wa Tarbiyyat (Lahore, Islamic Publications, 2011), 380.

- موجودہ دور میں طلبہ الحاد، مذہبی بیزاری، بے حیائی، جھوٹ، خود غرضی، اور سوشل میڈیا کے منفی اثرات جیسے فکری و اخلاقی چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں، جو ان کی ذہنی و روحانی ترقی کو متاثر کر رہے ہیں۔
- نبی کریم ﷺ نے تعلیم کے ساتھ تربیت کو لازم قرار دیا، اور ہر فرد کی فطرت، استعداد، اور مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے اصلاح کی، جو آج کے اساتذہ کے لیے نمونہ ہے۔
- وہ اساتذہ جو سیرتِ طیبہ کو اپنی تدریسی و تربیتی پالیسی کا مرکز بناتے ہیں، وہ طلبہ کو فکری الحاد، اخلاقی زوال، اور تہذیبی حملوں کے خلاف شعور و استقامت دے سکتے ہیں۔
- جب طلبہ کو سیرتِ طیبہ کے عملی نمونے سے روشناس کرایا جائے تو ان کی شخصیت میں نہ صرف مثبت تبدیلی آتی ہے بلکہ وہ معاشرے میں بھی ایک تعمیری کردار ادا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔
- سیرتِ نبویؐ کے اصول آج کے تعلیمی نظام میں شامل کیے جائیں تو بہترین معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔

سفارشات:

تحقیق کے اختتام پر درج ذیل سفارشات پیش کی جاسکتی ہیں:

1. اساتذہ طلبہ کی انفرادی ضروریات اور نفسیاتی پہلوؤں کو سمجھ کر رہنمائی کریں۔
2. اساتذہ طلبہ میں تنقیدی سوچ، سماجی شعور، اور دینی اقدار کے فروغ کے لیے سوال و جواب کے سیشنز، گروپ ڈسکشنز اور مسئلہ حل کرنے والے طریقے اختیار کریں۔
3. تعلیمی اداروں میں اساتذہ کو کردار سازی کے ماڈلز کے طور پر پیش کیا جائے، تاکہ طلبہ ان سے متاثر ہو کر مثبت رویے اختیار کریں۔
4. طلبہ کی فکری تربیت کے لیے نصاب میں سیرتِ طیبہ کے ایسے پہلو شامل کیے جائیں جو نوجوانوں کی عملی زندگی، سماجی رویوں اور چیلنجز سے براہِ راست متعلق ہوں۔

یہ سفارشات طلبہ کی تعمیرِ شخصیت اور اس کی فکری اصلاح کے حوالے سے استاد کے کردار کو مؤثر بنانے کے لیے پیش کی گئی ہیں تاکہ سیرتِ طیبہ کی روشنی میں ایک ایسا تربیتی و تعلیمی ماحول قائم کیا جا سکے جو طلبہ کی فکری، اخلاقی اور روحانی رہنمائی فراہم کرے۔ ان سفارشات پر عمل درآمد سے نہ صرف تعلیمی نظام میں بہتری آئے گی بلکہ ایک باکردار، باشعور اور معتدل نسل کی تشکیل بھی ممکن ہو سکے گی، جو امت مسلمہ کے روشن مستقبل کی ضامن بنے گی۔